

ڈاکٹر محمد شکیل اوج



شیخ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

اسلامی ذبیحہ: جدید فقہ الاقلیات کا ایک مسئلہ

غیر مسلم معاشروں میں
مقیم مسلمانوں کو درپیش
مذہبی مسائل کو ”فقہ
الاقلیات“ کے عنوان کے
تحت بیان کیا جاتا ہے۔ اس
باب کا ایک اہم مسئلہ
ذبیحہ ہے۔ زیر نظر مضمون
میں اس حوالہ سے ایک
نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے۔
جس سے اختلاف کیا
جاسکتا ہے۔ قارئین کی
آراء کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

آجکل یورپ اور امریکہ میں بحث چل رہی ہے کہ جانوروں کو حلال کرنے کیلئے مسلمانوں کے طریقے کے مطابق
انہیں روایتی انداز میں ذبح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ پھر وہیں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ ذبیحہ اور حلال میں کیا
فرق ہے؟ زیر نظر مضمون میں ہم اسی حوالے سے کچھ معروضات پیش کرنا چاہیں گے۔

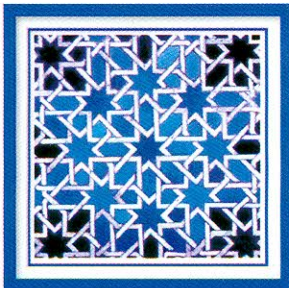
اس بحث میں سب سے پہلے لفظ ذبیحہ کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے۔ ذبیحہ، ذبح سے بنا ہے۔ امام راغب اصفہانی
(۵۵۰ھ) کے بقول: اصل الذبح شق حلق الحيوانات (۱) ذبح کی اصل یہ ہے کہ حیوانات
کے حلقوں میں شگاف ڈالا جائے اور یہی اس لفظ کا بنیادی معنی ہے۔ چنانچہ جانور کو حلال کرنے کیلئے حلق کاٹنے کا
عمل بہت پرانا ہے۔ جو فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔

قرآن نے سورۃ المائدہ کے ایک مقام پر ذبح کا مترادف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کہنا چاہئے کہ ذبح کا حاصل یا
مقصد، ذکاۃ کو قرار دیا ہے (المائدہ ۳) چنانچہ جب ہم معنوی طور پر ذکاۃ کا لفظ دیکھتے ہیں تو ذبح کے ظاہری معنی
کے ساتھ یہ مفہوم بھی صاف دکھائی دیتا ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ اس کے جسم سے حرارت
غریزی نکل جائے یعنی خون مکمل طور پر اس کے بدن سے خارج ہو جائے۔ اس مفہوم کو قرآن مجید نے بایں الفاظ
ادا کیا ہے۔ الا ما ذکیتہم (المائدہ ۳) (۲) بجز اس کے جسے تم ذبح کر کے اس کی حرارت غریزی کو نکال دو۔ گویا
تذکیہ کا معنی حرارت غریزی کا اخراج ہے۔ یوں یہ لفظ شریعت میں ذبح کے معروف و متداول طریقے پر منطوق
ہوا ہے۔ جیسا کہ امام راغبؒ نے لکھا ہے۔

وحقیقة التذکیہ اخراج الحرارة الغریزیة لکن خص فی الشرع بابطال الحیاة علی وجه
دون وجه (۳) یعنی تذکیہ کی حقیقت، حرارت غریزی کا اخراج ہے، لیکن شریعت میں ایک نپے تلے انداز
سے جانور کی زندگی ختم کرنے کو تذکیہ کہتے ہیں۔ گویا ذبح اور تذکیہ دراصل ایک ہی حقیقت کے دو روپ ہیں۔
ذبح میں ظاہر کا لحاظ ہے اور تذکیہ میں باطن کا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کسی
ذبیحے میں بوقت ذبح حرارت غریزی کا اخراج نہ ہو سکے تو اسے حلال نہیں سمجھا جائے گا۔

تذکیہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جانور میں تڑپنے اور پھڑکنے کا عمل شدت سے پایا جائے تاکہ تذکیہ کامل ہو سکے کم
تڑپنے اور پھڑکنے سے یقیناً تذکیہ بھی ناقص ہوگا اور ایسا ذبیحہ کم از کم (عقلی طور پر) غیر طیب (یعنی مضر صحت)
ہونے کے سبب لائق طعام نہیں رہے گا۔ کیونکہ کسی شے کا قابل طعام ہونا، حلال ہونے کے ساتھ ساتھ طیب
(یعنی مفید صحت) ہونے کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

قرآن مجید نے آخر میتہ یعنی مراد جانور کا گوشت ہمارے لیئے کیوں حرام کیا ہے؟ صرف اسی لیئے کہ اس میں
سے حرارت غریزی کا اخراج نہیں ہو پاتا اور مرے ہوئے جانور کا گوشت، خون آلود ہونے کے سبب غیر طیب



© rasailoraid.com

۱- ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ. قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ﴾ (المائدہ ۴)

(یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہاری لئے طيبات (سٹھری چیزوں) کو حلال کیا گیا ہے۔)

۲- ﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ﴾ (المائدہ ۵)

(آج کے دن تم سب کے لئے صاف سٹھری، پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کیا گیا ہے)

۳- ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ﴾ (الاعراف ۱۵۷)

(اور نبی ﷺ ان کے لئے پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندمی، ردی، اور ناپاک اشیاء کو حرام) حلال اور طيب کا چولی دامن کا ساتھ اس آیت میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

۴- ﴿فَيُظْلَمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا عَلَيْهِمْ طَيِّبٌ أُحِلَّ لَهُمْ﴾... (النساء ۱۶۰)

(پس ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے، جو یہودی ہوئے، ہم نے ان پر اچھی چیزیں، جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں، حرام کر دیں)

قرآن کی رو سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز کے قابل طعام ہونے کیلئے فقط اس کا حلال ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا طيب ہونا بھی ضروری ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حلال طيب کے اکٹھے الفاظ لائے گئے ہیں۔ (دیکھئے البقرہ ۱۶۸- المائدہ ۸۸- الانفال ۶۹- النحل ۱۱۴)

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات کی روشنی میں طيبات کا مفہوم بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طيبات کے مفہوم سے آشنا لوگ بیمار جانور، سڑے ہوئے پھل اور بدبودار گوشت کبھی نہیں کھا سکتے۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدبودار گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

عن النبی ﷺ قال اذ رمیت بسهمک فغاب عنک فادر کتہ فکلہ مالم یبتن (مسلم، رقم الحدیث: ۴۸۷۰)

جب تم شکار پر اپنا تیر مار دو اور پھر شکار تم سے اوجھل ہو جائے، پھر تم کو وہ مل جائے تو جب تک بدبودار نہ ہو اس کو کھا لو۔ (ہمارے نزدیک روایت میں تسمیہ و تذکیہ ہر دو کا تصور محذوف ہے۔ جسے عرفاً سمجھا جاسکتا ہے۔)

چنانچہ شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے یہ سب چیزیں غیر طيب ہونے کی وجہ سے حرام اور ناقابل طعام ہیں۔ کیونکہ ان کے استعمال سے انسانی صحت خراب اور برباد ہو سکتی ہے اور ہر وہ چیز جو باعث ضرر ہو، وہ حرام ہے۔ فان المضار کلھا حرام بے شک ضرر رساں چیزیں حرام ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم میں مینتہ (طبعی موت مرنے والا جانور) کے علاوہ جن جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں:

۱- المنخنقة (گلا گھٹ کر مر جانے والا جانور)

۲- الموقوذة (دھار والے آلہ کے بغیر کسی چیز کی ضرب کے باعث لگنے والی اندورنی چوٹ سے مرنے والا جانور)

۳- المتوردة (بلندی سے گر کر مر ہوا جانور)

۴- النطیحة (کسی دوسرے جانور کی سینک لگنے سے ہلاک ہونے والا جانور) اور

۵- وما کال السبع (اور وہ جانور، جسے کسی شکاری جانور نے پھاڑ کھایا ہو)

کی اقسام کے جانور ہیں۔ ان اقسام میں مؤخر الذکر قسم کے ساتھ الا ما ذکیتہم کے الفاظ آئے ہیں (۷)۔ ان جانوروں کی حرمت کا سبب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تذکیہ (خون کا مکمل اخراج) ناممکن ہوتا ہے۔ انہیں ذبح کرنے سے خون جاری نہیں ہوتا اور اگر برائے نام جاری ہو بھی جائے تو اس سے جانور کا تذکیہ نہیں ہو پاتا۔ غیر طیب (یعنی مضر) ہونے کے سبب وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کو یہاں ذکیتہم کا لفظ لانا پڑا۔ (المائدہ ۳) تاکہ ذبح کی غرض واضح ہو، جو جانور کے جسم سے حرارت غریزی کے تاحد امکان، اخراج پر مشتمل ہے۔ جو مذکورہ بالا جانوروں میں مفقود ہے۔ چنانچہ ایسے جانور کا اسلامی و قرآنی ذبیحہ بننا ذکاۃ کی صفت سے متراہونے کی وجہ سے ہی حرام ہوا ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں:

”خون مسفوح ناپاک ہے، وہ بدن میں رہے اور جانور مر جائے تو تمام گوشت پوست نجس و حرام ہو جاتا ہے۔ ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا۔ ما انہر الدم و ذکر اسم اللہ علیہ فکلوا (بخاری) جس کا خون بہا دیا گیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ۔ اور فرمایا۔ انہر الدم بما شئت و اذکر اسم اللہ علیہ (مسلم) خون بہا دے، جس سے تو چاہے اور اللہ کا نام ذکر کر۔“ (۸)

علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول:

”شمس الائمہ سرخسی حنفیؒ فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ ایک قول یہ ہے کہ نجس اور فاسد خون کے بہانے کو زکاۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ حیوان میں بننے والا خون حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے ضمن میں فرمایا ودماً مسفوحاً (یا بننے والا خون) پس نجس کے ازالہ کرنے اور ظاہر کو نجس سے متمیز کرنے کا نام زکاۃ ہے“ (۹)

قاضی ثناء اللہ پانیؒ پتی فرماتے ہیں:

”تذکیہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جانور کی طبعی حرارت کو بدن سے نکال دیا جائے، لیکن شریعت میں (ہر طریقے سے ازالہ حرارت کو تذکیہ نہیں کہا جاتا بلکہ ایک خاص طریقہ سے ابطال حیات کا نام تذکیہ ہے) یعنی بالارادہ اللہ کا نام لیکر حلق ولبہ کو کاٹ کر یا چھید کر ابطال حیات کرنے کا نام شرعاً تذکیہ ہے۔“ (۱۰)

البتہ خون کے تاحد امکان یا قابل اطمینان اخراج کی صورت میں ایسا ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک یہی حال قریب قریب ان جانوروں کا بھی ہے۔ جبکہ ہوش و حواس ختم کر کے انہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جانور اپنے اوپر ہونے والے عمل جراحت سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کر پاتے کیونکہ انہیں اپنی بقائے حیات کے لئے ٹانگیں چلانے کی صلاحیت سے (الیکٹرک شاک کے ذریعے) محروم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ذبح کے وقت ان میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں پائی جاتی۔ وہ درد کی شدت سے ہلبلاتے ہیں، نہ میاتے ہیں اور نہ ہی پاؤں مارتے ہیں پھر ظاہر ہے کہ جس مقدار میں ان کے جسم سے خون جاری ہونا چاہئے، وہ جاری نہیں ہو پاتا۔ پھر ایسے جانوروں کا گوشت انسانی صحت کے لیے کتنا مفید ہو سکتا ہے؟ یہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ جس طرح طبعی اور غذائی ماہرین کے سوچنے کا ہے وہیں ہم سب کے سوچنے کا بھی ہے۔

ہمارے خیال میں اس طرح کے جانور کو ظاہری پہلو سے ذبیحہ ہونے کا اعزاز تو حاصل رہے گا۔ مگر اسے عدم تذکیہ کی وجہ سے حلالاً طیباً کہنا محل نظر ہوگا البتہ ذبح کی غرض چونکہ تذکیہ ہے۔ پس اگر بشرط تسیمہ، بہ زبان مسلم و کتابی، کسی سائنسی (مشینی)

ذبح کے وقت جانور
دماغی چوٹ کے
باعث بیہوش یا سن
ہونے کی بجائے،
نارمل حالت میں ہو
تاکہ وہ اپنی
توانائی کو پوری
قوت کے ساتھ
استعمال میں لاتے
ہوئے اپنے پاؤں
مار سکے۔ جس کے
نتیجے میں اس کا
تذکیہ ہو جائے۔

عمل کے ذریعے ذبح کی صورت میں جانور کا تذکیہ ممکن ہو سکتا ہے تو ایسے جانور کا گوشت، طیب ہونے کے سبب یقیناً جائز ہو گا اور ہمیں روایتی طریقے سے ہٹ کر، کٹے ہوئے جانور پر، از روئے قرآن حکیم کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ذبح نے اپنی غرض کو پایا ہے۔ طریقہ ذبح چونکہ منصوص بالقرآن نہیں ہے۔ اس لئے اگر زمانے کے تغیر و تبدل یا پھر زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے سبب متذکرہ بالا شرائط کے تحت کسی غیر روایتی طریقہ ذبح کو اختیار کیا جاتا ہے تو وہ عند الشرح والعقل دونوں صورتوں میں قابل قبول ہو سکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ دماغ پر چوٹ یا ضرب مار کر جانور کو تھوڑی سی دیر کے لئے بے حس و حرکت کر کے، ٹھیک اسی وقت ذبح کرنا، قریب قریب موقوفیت والی 'کیفیت' کو مصنوعی طور پر پیدا کرنا ہے جو گاہے بامر مجبوری تو قابل قبول ہو سکتی ہے۔ مگر مستقل بنیادوں پر اختیار کرنا شاید اسلام کے قانون ذبح سے کھیلنے والی بات ہو۔

ہمارے نزدیک گویا جانور کا تذکیہ بایں صورت ممکن کیا؟ یقینی ہو جائے (مثلاً جانور کو ذبح کیا اور ذبح کرتے ہی اسے التالیف دیا۔ نیچے خون کی نالیوں سے خون، ڈرین ہو گیا اور اس طرح جانور کا تذکیہ ہو گیا۔) تب بھی اسے روح قانون کے تحت جائز قرار دینا خاصا مشکل کام ہوگا۔ کیونکہ اسے مصنوعی طور پر موقوفہ بنایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ فطری موقوفہ کو الاماذا کیتیم کے قانون کی رو سے بر بنائے نص یا اجتہاد حلال تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے مصنوعی موقوفہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قرآن کا بیان کردہ موقوفہ بالکل فطری اور غیر اختیاری ہے، جبکہ مروجہ موقوفہ مشین، غیر فطری اور خود اختیاری اور کسی کیفیت کے اختیاری ہونے کے فرق سے احکام میں بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ پس موقوفہ اضطراری اور موقوفہ خود اختیاری میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے موقوفہ ذبح کی حالت کو قرآنی فریم ورک میں رکھ کر ہی ہمیں کوئی حکم لگانا ہوگا۔ یقیناً اس طرح کے احکام کسی استثنائی حالت کے تابع ہوتے ہیں، جن کا فطری ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت گاہ بگاہ ہی رونمائی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات کو مصنوعی طور پر واضح کرنا اور اسے دوامیت فراہم کرنا، کہاں کی دانش مندی ہے؟ کیا ایسے



ذبیحوں کو قانونی سند جواز فراہم کرنا حالت عموم کے قانون کی صریح تنہک اور خلاف ورزی نہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے مشینی ذبیحوں کو جو اذکیہ سند عطا کرنے والے، اگر حالت عموم کے قانون جاریہ کو سمجھیں تو شاید اپنے فتوؤں سے رجوع کر لیں۔ واضح رہے کہ حلال جانور کو ذبح کرنے کی غرض تو اس کا تذکیہ ہی ہے۔ مگر اسکی شرط تسمیہ (تکبیر) ہے، جو بوقت ذبح پڑھی جاتی ہے۔ یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر۔ اگر کسی جانور کو تسمیہ کے بغیر ذبح کیا جائے اور بظاہر اس کا تذکیہ بھی ہو جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوگا۔ ذبیح کی حلت میں تسمیہ کا کردار اتنا بنیادی ہے کہ اس کے لئے پروردگار عالم نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ: وما اهل بغیر اللہ بہ یعنی وہ جانور، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا جائے وہ حرام ہے (المائدہ ۳) اور یہ ارشاد چار مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ نیز سدھائے ہوئے شکاری درندے کے ذریعے شکار کیے ہوئے جانور پر قابو پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کے پڑھنے کا حکم بایں الفاظ بھی آیا ہے:

۱- واذکروا اسم اللہ علیہ (المائدہ ۴)

اور اس ذبیحہ پر اللہ کا نام پڑھو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ کے بغیر کوئی ذبیحہ حلال نہیں ہو سکتا نیز فرمایا:

۲- وما لکم الا کلا مما ذکر اسم اللہ علیہ (الانعام ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے، جس پر اللہ کا نام پکارا گیا ہے۔ اور فرمایا:

۳- ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم اللہ علیہ وانه لفسق۔ (الانعام ۱۲۱)

اور تم وہ جانور نہ کھایا کرو، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا گیا ہو۔ اور بے شک ایسے جانور کا کھانا فسق ہے۔
خلاصہ بحث یہ کہ جانور کو اصلاً حلق سے قطع کیا جائے تاکہ خون کا سیلان و جریان ہو سکے۔ اور ذبح کے وقت جانور دماغی چوٹ کے باعث بیہوش یا سن ہونے کی بجائے، نارمل حالت میں ہوتا کہ وہ اپنی توانائی کو پوری قوت کے ساتھ استعمال میں لاتے ہوئے اپنے پاؤں مار سکے۔ جس کے نتیجے میں اس کا تذکیہ ہو جائے، جو ذبح کا مقصود ہے۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب جانور کو اس طریقے سے ذبح کیا جائے، جو فطری اور مقصود شریعت سے ہم آہنگ ہو۔ اسے مصنوعی طور پر موقوفہ بنا کر ذبح کرنا، قانون ذبح اسلامی کا مذاق اڑانا ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ہے محل نہ ہوگا کہ ہمارے فقہاء ذبح کے تعلق سے دو اصطلاحیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ ذبح اختیاری ۲۔ ذبح اضطراری

ذبح اختیاری سے مراد یہ ہے کہ جانور ذبح کے زیر قدرت (کنٹرول میں) ہو۔ اور وہ اسے حلق سے ذبح کرے۔ جہاں کم از کم تین رگوں کا کٹنا ضروری ٹھہرے۔ جبکہ ذبح اضطراری سے مراد ایسا طریقہ ذبح ہے، جو ذبح اختیاری کے برعکس ہو۔ اس طرح کا ذبیحہ جانور کے کسی بھی حصہ پر (سوائے حلق کے) وار کرنے یا اس پر شکار چھوڑنے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور ہمارے فقہاء نے اسے ذبح اضطراری کا نام دے کر مستقل بنیادوں پر حلال کر رکھا ہے۔ حالانکہ ذبح اضطراری سے مراد ذبح کی اپنی ذاتی حالت ہو تو یقیناً ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ حالت اضطرار میں حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ پس ذبح اضطراری کو کسی غیر مضطر کے لیے حلال قرار دینا از روئے قرآن غلط ٹھہرتا ہے۔ اس لیے میں ذبح اضطراری کو جانور کی حالت کی بجائے شکاری یعنی ذبح کی حالت پر منطبق کرتا ہوں۔

ذبح اور تذکیہ

در اصل ایک ہی حقیقت کے دو روپ ہیں۔ ذبح میں ظاہر کا لحاظ ہے اور تذکیہ میں باطن کا

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ المفردات فی غریب القرآن، کتاب الذال، ص ۱۷۷، الناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی
- ۲۔ ذکا کے معنی حرارت کے ہیں اور جب یہ لفظ باب تفعیل سے ڈٹکی بنے گا تو اس میں سلب ماخذ کی خصوصیت پیدا ہو جائیگی اور معنی ہوگا حرارت نکال لی یعنی سلب کر لی۔ اسی کو سلب ماخذ کہتے ہیں۔
- ۳۔ المفردات فی غریب القرآن، کتاب الذال، ص ۱۸۰
- ۴۔ عبد اللہ بن احمد بن محمود النصفیؒ (م ۱۰۷ھ) کنز الدقائق، کتاب الذبائح، ص ۴۱۷، المکتبۃ العربیہ، دکنگر کالونی، کراچی۔
- ۵۔ ابوالحسن بن احمد محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقندوریؒ (م ۴۲۸ھ) مختصر القندوری، کتاب الصيد والذبائح، ص ۲۱۹، مکتبہ خیر کثیر، آرام باغ، کراچی۔
- ۶۔ محمد امین ابن عابد بن الشامیؒ، رد المحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد ۵ ص ۱۸۷
- ۷۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک الاما ذکیتم میں استثناء صرف درندہ کے کھائے ہوئے جانور سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ
- ۸۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۰ ص ۳۳۵، کتاب الذبائح، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور، ۲۰۰۱ء
- ۹۔ مولانا غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، جلد ۶، کتاب الصيد والذبائح، ص ۴۶، فرید بک اسٹال، ۲۰۰۱ء
- ۱۰۔ تفسیر مظہری، جلد ۳ ص ۳۵۷، اردو ترجمہ: مولانا عبدالعزیز الجلالی، سعید انجیم کتب، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۸۰ء